نظام قضاء کا قیام

—— ہندوستانی مسلمانوں کا دینی وملی فریضہ

—— معاشرتی مسائل کا واحد شرعی حل

از قلم

حضرت مولانا حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

شائع کردہ:

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

76 A/1, Main Market, Okhla Village
Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Ph: +91-11-26322991, 26314784
E-mail: aimplboard@gmail.com

© جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ

نام کتاب	:	نظام قضاء کا قیام
مصنف	:	حضرت مولانا حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ
طبع اول	:	مارچ ۲۰۰۵ء
طبع دوم	:	ستمبر ۲۰۰۷ء
طبع سوم	:	اگست ۲۰۱۰ء
طبع چہارم	:	ستمبر ۲۰۱۶ء
تعداد اشاعت	:	پانچ ہزار
کمپوزنگ	:	فیضان احمد ندوی (کارکن بورڈ)
پروف ریڈنگ	:	وقار الدین لطیفی
صفحات	:	۲۰
قیمت	:	۱۵/روپے

ناشر

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ – دہلی

فہرست

پیش لفظ ۵

نظامِ قضاء کے قیام کا مسئلہ ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نظام قضا اسلامی شریعت کا بہت اہم شعبہ ہے، ہندوستان میں بھی اسکی بڑی اہم اور تاریخی حیثیت رہی ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں مسلمان جہاں بھی رہے اور جس حال میں رہے انہوں نے نظام قضاء کے قیام کو اپنا اولین فریضہ سمجھا اس لئے کہ قضاء شرعی کے بغیر مسلم معاشرے کے لئے اسلامی زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے، تاریخ اسلام کے ہر دور میں دارالقضاء اور مسلم قاضیوں کے بے لاگ فیصلوں نے عدل وانصاف اور قانون شریعت کی بالادستی کی ایسی روشن مثالیں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں جن کی نظیر دنیا کی عدالتیں بھی پیش کرنے سے قاصر رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی ہندوستان آمد کے ساتھ ہی نظام قضا کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور آج تک بحمد للہ جاری ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کی تحریک ۱۹۷۲ء میں شروع ہوئی اور اس کا پہلا کنونشن ۲۷/۲۸/دسمبر ۱۹۷۲ء کو ممبئی میں ہوا اور پھر اپریل ۱۹۷۳ء میں شہر حیدرآباد میں باقاعدہ اس کا قیام عمل میں آیا جسمیں باتفاق آراء حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (متوفی ۱۹۸۳ء مطابق ۱۴۰۳ء) کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا آپ کی یہ تحریر مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام سے پہلے کی تحریر ہے جسے افادہ عام کی غرض سے بورڈ نے پہلی بار مارچ ۲۰۱۵ء میں، دوسری بار ستمبر ۲۰۰۷ء میں، تیسری بار

اگست ۲۰۱۰ء میں اور اب اس کا چوتھا ایڈیشن شائع کیا جارہا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دارالقضا کی شرعی اور سماجی ضرورت کو اس کتابچہ میں بڑے واضح اور مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس میں بعض اہم اور مفید عملی تدبیریں بھی تجویز کی ہیں۔ ان ہی ساری خصوصیات کی بناپر بورڈ اس کو رسالہ کی شکل میں شائع کرتا رہا ہے اور اسے بڑی مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔

امید ہے کہ اس رسالہ کی طباعت سے بورڈ کی قیام دارالقضاء کی تحریک کو تقویت ملے گی اور امت مسلمہ کو اس اہم دینی فریضہ کی طرف راغب کرنے کے لئے معاون ہوگی۔

۲/ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ — محمد ولی رحمانی

۵/ستمبر ۲۰۱۶ء — جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

نظامِ قضاء کے قیام کا مسئلہ

اسلام اپنا ایک خاص مزاج رکھتا ہے، اور وہ اپنے ماننے والوں کے لئے ایک مستقل نظامِ حیات کی نشاندہی کرتا ہے، اس کی خلاف ورزی اور اس سے علاحدہ ہوکر زندگی گزارنا اس کے قانون میں نا قابل برداشت ہے، اس نظام حیات کی بنیاد قرآن پاک کی اس آیت پر ہے۔

﴿أطیعوا اللّٰہ و أطِیعُوا الرسولَ و أولی الأمرِ مِنکُم﴾

(اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے اولوالامر کی اطاعت کرو)

اور جس کی تعبیر حضرت فاروق اعظم عمرؓ نے ان الفاظ میں فرمائی تھی:

"لا اسلام اِلا بجماعة و لا جماعة اِلا بِامارة و لا اِمارة اِلا بطاعة"۔

(اجتماعیت کے بغیر اسلام نہیں، اور امارت کے بغیر اجتماعیت نہیں، اور اطاعت کے بغیر امارت نہیں)۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اس نظام حیات کو قبول کیا اور برابر اسی پر عمل پیرا ہونے کی جد وجہد کی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد صحابہ کرامؓ نے جس مسئلہ پر اولاً عمل کیا اور جس فریضے کو سب سے پہلے انجام دیا وہ خلیفہ اور امیر کے انتخاب کا مسئلہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ مسلمانوں کے لئے

ایسی زندگی گزارنا جائز نہیں ہے جس میں شرعی امور کے انجام دینے کے لئے ان میں کوئی والی اور امیر نہ ہو، خواہ ایسا دارالاسلام میں ہو یا دارالحرب میں:

"لا یجوز ترك المسلمین سدی لیس علیهم من یدبر أمورهم فی دار الاسلام و لا فی دار الحرب" (شرح السیر الکبیر ۱۲۴/۲)

(مسلمانوں کو بیکار چھوڑنا کہ ان کے امور کی تدبیر کرنے والا کوئی نہ ہو نہ دارالاسلام میں جائز ہے نہ دارالحرب میں)

اور یہی وجہ ہے کہ جوں ہی ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہوا حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نصبِ امیر کے وجود کا فتویٰ دیا اور علماء امت نے اس پر عمل کیا۔

انگریزوں نے اپنے ابتدائی دور حکومت میں مسلمانوں کے نظامِ قضاء کو برقرار رکھا اور مسلمان قاضی حکومت برطانیہ کے تحت اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ مگر چند سالوں کے بعد بتدریج انگریزوں نے اس نظام قضاء کو قطعاً بند کر دیا، جس کی وجہ سے مسلمان اپنے بہت سے شرعی احکام ومسائل کے نفاذ اور اپنی اسلامی زندگی کے انضباط سے محروم ہو گئے جس کا اعتراف خود بہت سے یورپین مصنفین نے بھی کیا ہے۔

یہ درست ہے کہ اسلامی قوانین کو مسلمانوں کے لئے انگریزوں نے تسلیم کیا، اور ''محمڈن لا'' کے نام سے اسے برقرار رکھا، مگر ان احکام ومسائل میں بصیرت رکھنے والے علماء اور قاضیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کا نفاذ صحیح طور سے نہیں ہوسکا، بلکہ حکومت کے ان ججوں اور منصفوں نے جو احکام ومسائل اسلام میں مہارت نہیں رکھتے اور جنہیں ان قوانین کا تجربہ نہیں تھا، غلط استدلال سے کام لیا اور غلط فیصلے کئے جو آج

نظائر کی صورت میں باقی ہیں، اور وہ اسلام کی روح کے سراسر خلاف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے مذہبی معاملات میں کبھی حکومت وقت کی عدالتوں پر اعتماد نہیں رہا، جب تک کے ملک کے دارالافتاؤں میں سے کسی نے اس کی تصدیق نہ کردی۔

پھر کچھ ایسے مخصوص احکام ومسائل بھی ہیں جن میں مسلمان قاضی کی قضاء ضروری ہے اور اس کے بغیر کوئی راہ نہیں، ان مسائل واحکام میں مسلمانوں کو جو دن رات مجبوریاں پیش آئیں وہ ناقابلِ بیان ہیں۔

ان حالات نے علماء حق کو مجبور کیا کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں اس ملک کے اندر اجتماعی زندگی کی وہ راہ اختیار کریں جن کی فقہاء امت نے نشان دہی کی ہے، تاکہ وہ اس راستے سے اپنے شرعی احکام ومسائل کا حل تلاش کرسکیں، وہ راہ اس ملک میں نصب امیر کی ہے جو مسلمانوں کے اتفاق سے منتخب ہوکر پورے ملک میں محکمۂ قضاء قائم کرے، اور وہ قضاۃ مسلمانوں کے ان مقدمات کا شرعی فیصلہ کرسکیں جن کے نہ ہونے سے مسلمان مرد اور عورتیں مصائب کا شکار ہوتی رہتی ہیں، مثلاً ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے صراحت کی ہے:

"اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلید منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبه فی بلاد المغرب الآن یجب علیهم أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیاً أو یکون هو الذی یقضی بینهم"۔

(اور جب (مسلم) بادشاہ نہ ہو اور نہ ایسا شخص ہو جس کی طرف سے نصب قاضی جائز ہو جیسا کہ ان بعض شہروں کی حالت ہے جن پر کفار غالب ہوگئے ہیں مثلاً آج

کل بلادِ مغرب میں قرطبہ، تو ایسی حالت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی شخص کو متفق ہوکر والی بنالیں پس وہی والی قاضی مقرر کرے یا خود ہی مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرے)۔

اور علامہ طحطاویؒ نے درمختار کے حاشیہ میں تراضی مسلمین کو انعقاد قضاء کے لئے کافی قرار دیا ہے:

"اذا غلب علی المسلمین ولاة الکفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة والأعیاد یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین و یجب أن یلتمسوا والیاً مسلماً" (۲۳۹/۱)

(جب مسلمانوں پر کافر حکام غالب ہوجائیں تو مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی قاضی ہوجائے گا اور ایک مسلمان حاکم کی تلاش واجب ہے)۔

اور اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ اکابر علماء حسبِ استطاعت وہ سب کچھ کرتے رہے جو ان کے بس میں تھا۔

چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنے دور میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اول صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کو قاضی مقرر فرمایا، پھر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بلالحاظ اختلاف مسلک مختلف مسالک کے پانچ سو سے زیادہ علماء کرام سے نظام قضاء کے مسئلہ پر تائیدی دستخط حاصل فرمائے۔

یہ تائیدی تحریرات اور دستخط آج بھی محافظ خانہ دارالعلوم میں محفوظ ہیں، اس مسئلے کو

متاخرین علماء میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوری قوت سے اٹھایا، اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس اللہ سرہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس کی بھرپور تائید کی اور جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے اجلاس کے موقع پر فرمایا:

''اس نمائندہ اجتماع میں جب کہ تمام اسلامی ہند کے ذمہ دار اور ارباب حل وعقد جمع ہیں امیر الہند کا انتخاب کرلیا جائے اور میری چارپائی کو اٹھا کر جلسہ گاہ میں لے جایا جائے، پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا''۔ (تاریخ امارت/۵۳)۔

۱۳۴۶ھ میں محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

''مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خود اپنے اتفاق یا کثرت رائے سے امیر شریعت منتخب کریں ایسے امراء صوبہ وار ہونے چاہئیں اور پھر ان امراء کے اتفاق رائے سے تمام ہندوستان کے لئے ایک امیر اعظم ہوگا اگرچہ حکومت برطانیہ کی کوئی سیاسی حیثیت نہ ہوگی، مگر مذہبی ضرورت ان کے فیصلوں اور ان کے احکام سے صحیح طور پر واقع اور نافذ ہوسکے گی، اور مسلمانوں کا ایک بڑا مذہبی فرض نصب امارت ادا ہوجائے گا، اور ان کی تمام مصیبتوں کا حل نکل آئے گا، جس میں وہ آج کل مبتلا ہیں۔''

(خطبۂ صدارت جمعیۃ العلماء ہند پشاور/۵۵)۔

۱۹۲۲ء میں بمقام گیا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

''ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر مسلم طاقت کے زیرِ حکومت ہیں اور ان کو اپنے معاملات میں مذہبی آزادی حاصل نہیں ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لئے والی اور امیر مقرر کریں اور دارالقضاء قائم کرکے قضاۃ اور مفتیین کا تقرر کریں۔''

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقیؒ اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے دستخطوں سے ''تذکرہ'' نامی ایک رسالہ شائع ہوا ہے، اس میں ان حضرات نے صراحت کی ہے کہ:

''اس موقع پر ہم اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں قیامِ امارت اور نظام شرعی کی ضرورت واہمیت اس موقع پر محسوس ہونے لگی تھی جب کہ اسلامی حکومت کا چراغ گل ہورہا تھا، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے وقت میں قیامِ امارت کے وجوب کا فتویٰ دیا تھا، چنانچہ اس فتویٰ پر سب سے پہلے اس وقت عمل کیا گیا جبکہ حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ کو امام وامیر منتخب کیا گیا، پھر ۱۸۰۷ء میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو امام وامیر منتخب کیا گیا، لیکن اس انقلاب عظیم کے بعد حالات ناسازگار ہوگئے، زبان وقلم پر جبروتی مہریں لگادی گئیں، مگر ہمارے اکابر کے دل ودماغ اس تخیل سے کبھی غافل نہیں رہے اور مقصد عظیم کی مبادیات میں مشغول رہ کر اس وقت کا انتظار کرتے رہے جب کہ حالات سازگار ہوں اور اسلامی نظام جماعتی وشرعی اصول وضوابط سے قائم کرنا ممکن ہوجائے۔''

چند سطروں کے بعد تحریر فرمایا گیا:

''اور جب یہ حالت پیدا ہوچکی ہے تو ضرورت ہے کہ مرکزی نظام شرعی اور قیام

امارت فی الہند کی تجویز کو عملی شکل دی جائے''۔

یہ بیان ۱۹۴۰ء میں دیا گیا تھا، ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا، چاہئے تو یہ تھا کہ آزاد بھارت کی حکومت بغیر مطالبہ مسلمانوں کے لئے محکمۂ قضاء قائم کر دیتی اور اس طرح بڑی اقلیت کے مذہبی مسائل کا بڑی حد تک اس ملک میں حل ہو جاتا، مگر جن حالات میں ملک آزاد ہوا اور اس کے بعد ملک جن حالات سے گذرا گذر رہا ہے، اس سے اس کی کوئی ادنیٰ توقع باقی نہیں رہی۔

لیکن حالات کی رفتار نے بتایا کہ ہمارے اکابر و اسلاف نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی کہ:

''آزادی کے بعد بھی مسلمانوں کے مذہبی مسائل کا حل اسی اجتماعی زندگی کے ہی برپا کرنے میں مضمر ہے، جس کی ان حالات میں فقہاء نے نشان دہی کی ہے اور جس کی طرف اشارہ اوپر بھی گذر چکا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی''۔

آج ہر اس چیز کے بارے میں جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی مسلمانوں کی اجتماعی و ثقافتی زندگی سے ہے اس کے بارہ میں جو روش برسرِ اقتدار طبقہ کی ہے اس کا اندازہ ملت اسلامیہ کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اردو زبان اور اقلیتی تعلیمی اداروں سے متعلق پالیسی سے ہو چکا ہے، درحقیقت مسلم پرسنل لا کا مسئلہ بھی کچھ عرصے سے اسی طرح کی ذہنیت کا شکار ہے، اور مشترک سول کوڈ کے نفاذ کی بالواسطہ اور بلاواسطہ مساعی جاری ہے، ظاہر ہے کہ ان ساری مساعی کا مقصد ملت اسلامیہ کی اجتماعی زندگی اور اس کے آثار کو مٹا دینا اور ملی امتیازات کو ختم کر کے قومی دھارے میں مدغم کر دینے کی منظّم اور مکروہ سازش ہے۔

یہ بھی آپ سے مخفی نہیں ہوگا قومیں کھوکھلی نعرہ بازی سے زندہ نہیں رہ سکتیں، اور نہ دوسروں کے سہارے سے جب تک کہ خود اعتمادی عزم صادق اور مسلسل تعمیری جد و جہد پر راضی نہیں ہوں، وہ اجتماعی وجود برقرار نہیں رکھ سکتیں۔

ان حالات میں مسلمانوں کی جماعتی زندگی کا قیام اور بقدر استطاعت احکام شرع اسلامی کے نفاذ کے لئے نظامِ قضاء کو ہندوستان گیر پیمانہ پر پوری طرح منظّم کر دینا ملت اسلامیہ کا فرض اولین ہونا چاہئے۔

اگر مسلمانوں کی جماعتی زندگی پوری طرح منظّم و مضبوط رہے تو پھر امید ہے کہ ملک کا برسرِ اقتدار طبقہ بھی ہماری اہم ترین دینی ضرورت کو محسوس کرے اور پھر ہمارے منظّم و مربوط نظام قضاء کے تسلیم کر لئے جانے میں شاید کوئی بڑی دشواری نہ ہو، اور اس کے لئے محض ایک دفعہ کا اضافہ کرنا ہوگا جس کی رو سے محکمہ قضاء کے فیصلے مسلمانوں کے حق میں ان کے پرسنل لا کی حدود میں نافذ تسلیم کر لئے جائیں گے۔

اور اگر بالفرض ایسا نہ بھی ہوا جب بھی بڑی حد تک مسلمانوں میں شرع اسلامی کا اجراء عمل میں آئے گا، اور ارباب حل وعقد عنداللہ اپنی ذمہ داری سے بریٔ الذمہ ہو جائیں گے، اور مسلمانوں کے اسلامی شعائر اور ان کے مذہبی امتیاز کے قائم رہنے کی صورت نکل آئے گی۔

اس بارہ میں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ امارت اور اس کے تحت محکمۂ دارالقضاء کا ملک میں قیام کوئی دشوار امر نہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی خاص رکاوٹ ہے، اس کا ایک صوبائی نظام پچاس سال سے صوبۂ بہار و اڑیسہ میں قائم ہے، صوبہ میں متعدد مقامات پر دارالقضاء قائم ہیں جہاں امارت کی طرف سے قضاۃ مقرر ہیں اور ہر سال سینکڑوں

کی تعداد میں مقدمات آ کر فیصل ہوتے رہتے ہیں۔

مسلمان ان دارالقضاؤں میں اپنے ہر طرح کے مقدمات لاتے ہیں، اور آسانی سے انصاف حاصل کرتے ہیں اور سالہا سال کا تجربہ ہے کہ ان دارالقضاؤں کے فیصل شدہ مقدمات بے چوں و چرا مسلمانوں میں مانے جاتے ہیں، اس پورے پچاس سال میں غالباً صرف گیارہ مقدمات ہیں جن کی اپیل سرکاری عدالت میں کی گئی، مگر یہ بات خوشی کی ہے کہ سرکاری عدالت نے ان ہی فیصلہ جات کو برقرار رکھا جو قاضیوں نے کئے تھے۔

اگر پورے ملک میں اس طرح کے دارالقضاء قائم ہوگئے تو اس کی پوری توقع ہے کہ نکاح و طلاق، فسخ و تفریق سے متعلق سو فیصدی اور دوسرے قسم کے بہت سے مقدمات ان دارالقضاؤں میں دائر ہوکر فیصل ہوں گے اور پھر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے بہت سے اندرونی و بیرونی جھگڑے خود بخود طے پاتے رہیں گے۔

اس طریقہ کار میں مسلک کا اختلاف بھی حائل نہ ہوگا، اس لئے کہ اسی مسلک کے علماء میں سے کسی کو قاضی اپنا نائب مقرر کردے گا اور وہ اس مسلک کے مطابق ان کا فیصلہ کرے گا، جس کے ماننے میں اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے شرعی کمیٹی کے نام سے فقہ مالکی کی رو سے جو حل پیش فرمایا ہے وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے اہم اقدام ہے، لیکن اس میں بڑی دشواری یہ ہے کہ فقہ مالکی کی رو سے تمام ارکان کمیٹی کا اتفاق فیصلہ میں ضروری ہے، اگر یہ اتفاق حاصل نہ ہوسکے تو دعویٰ خارج کردیا جائے گا:

"قلت فلو انهما اختلفا فطلق أحدهما ولم يطلق الآخر، قال اذا لايكون ذلك هناك فراق لأن الى كل واحد منهما ما الى صاحبه باجتماعها عليه"۔

اس طرح ایک عجیب الجھن پیدا ہوجاتی ہے اور اصل میں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فقہ مالکی کی رو سے تحکیم کی صورت نظام قضاء کے تحت معاملہ کو سلجھا لینے کی ایک راہ ہے، اگر تحکیم کسی ضابطہ کے نقص کی وجہ سے ناکام ہوجائے تو اس کا موقع رہتا ہے کہ قاضی اس معاملے کو ہاتھ میں لے کر فیصلہ کردے، اب موجودہ صورت حال میں تحکیم تو ہو لیکن قضاء نہ ہو تو ایسی صورت میں ضابطۂ تحکیم کی ضروری شرائط کے فقدان کی بنا پر تحکیم مسئلہ کے حل سے عاجز رہتی ہے، اور قاضی ہے نہیں جو مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے لے، اس طرح وہ (مخمصہ) پھر لوٹ آتا ہے جس کے حل کے لئے فقہ مالکی کی طرف عدول کیا گیا تھا۔

ان حالات میں مسلمانوں کے ہر طبقے کا بنیادی اور اہم دینی فریضہ یہی ہے کہ باہمی اختلاف و افتراق سے بالاتر ہوکر اندرون ملک نظام قضاء کے قیام و استحکام کی طرف فوری توجہ دیں اس لئے کہ اس نظام کے ضرورت مند ہر طبقہ کے ہی مسلمان ہیں جس کے لئے از روئے فقہ تین شکلیں ہیں۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ان کی نشاندہی اپنے ایک مقالہ میں فرمائی ہے جس کا اقتباس درج ذیل ہے:

''غیر مسلم حکومت میں مسلمانوں کے لئے ان کی وسعت و استطاعت کے مطابق اپنے معاملات کے نظم و نسق و ترتیب و اجراء کے لئے حسب ذیل تین شکلیں ہیں:

۱- اگر ممکن ہو تو مسلمان خود اپنی طرف سے متفق و متحد ہوکر ایک والی کا انتخاب

کریں اور وہ قاضیوں کا تقرر کرے گا۔

۲- یہ نہ ہوسکے تو اس غیر مسلم حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہی ان پر ایک مسلمان والی مقرر کردے، یہ مسلمان والی پھر قاضیوں کا تقرر کرے۔

۳- یہ بھی نہ ہو تو مسلمان اپنی باہمی رضامندی سے قاضی ہی کا انتخاب کریں۔''

یہ تینوں شکلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں:

''۱- إذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد الغرب الآن و بلنسية و بلاد الحبشة اقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولي قاضياً أو يكون هو الذي يقضي بينهم، و كذا ينصبوا لهم اماماً يصلي بهم الجماعة۔ (فتح القدیر)

۲- بلاد عليها ولاة كفار يجوز للمسلمين اقامة الجمع ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً۔(عالمگیری رد المحتار عن المبسوط)

۳- كل مصر فيه والٍ مسلم من جهة الكفارِ يجوز منه اقامة الجمع والأعياد و أخذ الخراج و تقليد القضاء و تزويج الأيامىٰ لاستيلاء المسلم عليهم ... و أما في بلاد عليهم ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع و الأعيادِ و

يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين و يجب عليهم طلب والٍ مسلم''۔ (ردالمحتار)

(۱) (اگر کسی ملک میں مسلمان حاکم نہ ہو اور نہ اس شخص کا وجود ہو جو قاضی کا تقرر کرسکے جیسا کہ مسلمانوں کے بعض ان ملکوں کا حال ہے جن پر غیر مسلم اب قابض ہوگئے ہیں جیسے ملک مغرب میں آج کل قرطبہ اور بلنسیہ اور حبشہ کو انہوں نے مسلمانوں کو اپنے یہاں رہنے کی اجازت خراج ومحصول ادا کرنے پر دے دی ہے، ایسے ملکوں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک شخص پر متفق ہوکر اس کو اپنا والی بنالیں اور وہ والی کسی کو قاضی بنائے یا وہی ولی قضاء کا کام بھی کرے، اور ایسا ہی ضروری ہے کہ وہ امام مقرر کرلیں جو ان کی جمعہ کی نماز پڑھائے۔

(۲) ایسے ملک میں جن پر غیر مسلم حکام ہیں، مسلمانوں کو جمعہ قائم کرنا درست ہے، اور ایسے ملک میں مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی، قاضی ہوجائے گا، اور اس ملک کے مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ حکومت سے کسی مسلمان والی کے تقرر کا مطالبہ کریں۔

(۳) ہر وہ ملک جس میں غیر مسلموں کی طرف سے کوئی مسلمان والی مقرر ہو اس والی کی طرف سے جمعہ اور عیدین کی نماز کا قیام درست ہے، اور اسی طرح خراج لینا اور قاضیوں کا مقرر کرنا اور بیواؤں کا نکاح اس کی اجازت سے اس لئے درست ہے کہ اس نے مسلمانوں کو ان پر حاکم بنایا ہے... لیکن ان ملکوں میں جن پر غیر مسلم والی مقرر ہیں مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین کی نمازیں درست ہیں، اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوجائے گا، اور وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ حکومت سے کسی مسلمان والی کا مطالبہ کریں)۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے معاملات کے نظم ونسق وترتیب اوراحکام کے اجراء اور قضاء کے لئے تینوں مذکورہ بالا شکلوں میں سے ایک شکل اختیار کرنی پڑے گی، ہندوستان میں مختلف مذہبوں اورقوموں کی مخلوط آبادی ہے...اس بناپر اگر کوئی صورت ممکن ہوتو یہ ہے کہ:

''مسلمان اپنی رضامندی سے ایک قاضی کا انتخاب کریں اوراس قاضی کوتنفیذ کی طاقت اورقوت حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حکومت اس انتخاب کوقبول کرے، اس بناپر اگر مسلمان ایک قاضی القضاۃ کا انتخاب کریں اور گورنمنٹ اس کومنظور کرے اور یہ قاضی القضاۃ مسلمانوں کی رضامندی اور گورنمنٹ کی منظوری سے اضلاع اورتحصیلوں میں قاضیوں اورنائب قاضیوں کا تقرر کرے تو تمام مشکلات کا حل ہوجاتا ہے۔'' (مضامین سید سلیمان ندوی ۲۶۹-۲۷۲)۔

اس تفصیل کی روشنی میں نظام قضاء کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولاً بلالحاظ اختلاف مسلک مسلمانانِ ہند کے لئے ایک امیر منتخب کیا جائے جوتولیت کا فرض انجام دے یا:

الف- اگرنصب امیر میں دشواری ہوتو یہ کافی ہوگا کہ ملت اسلامیہ ہند کے ''ارباب حل وعقد'' پرمشتمل ایک مرکزی بورڈ بنایا جائے کہ جو''امیر بتراضی مسلمین کا مصداق ہواوراسی بورڈ کے اتفاق سے قضاء کا انعقاد عمل میں آئے۔

ب- پھراس بورڈ کی جانب سے ہرصوبہ کے لئے ایک ایک قاضی القضاۃ مقرر کیا جائے اوران قضاۃ کے تحت صوبائی کونسلوں کی تشکیل کی جائے جن کے مشورہ سے قاضی اپنے صوبے کے مختلف اضلاع میں قضاۃ مقرر کرے۔

ج- یہ قضاۃ مسلمانوں کے باہمی نزاعات اورخصوصیت کے ساتھ ان معاملات میں جن میں شرعاً قضاء قاضی ضروری ہے، شرع اسلامی کے مطابق فیصلہ کے مجاز ہوں۔

د- قضاء، شہادت اور دوسرے ابواب فقہیہ کے بارے میں جن کا تعلق نظام قضاء ہی ایک مرتب قانون ان کے حوالہ کیا جائے جوفیصلہ میں رہنمائی کرے۔

ہ- مقامی قضاۃ کے فیصلہ کے خلاف اپیلوں کی سماعت صوبائی دارالقضاء میں ہو۔

و- قضاء اوراس کے متعلق ضروری امور کا ایک نصاب بنایا جائے اوراسی کے ساتھ اس کی تعلیم کا نظم کیا جائے، نیز چند ماہ عملی تربیت کی صورت میں نکالی جائے۔

بہرحال مذکورہ جزئیات فقہیہ اورضروریات واقعیہ کے تحت یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے تمام مسائل میں سب سے زیادہ قابل توجہ اوراولیت کا حامل نظام قضاء کا مسئلہ ہے، اس کے حل ہوجانے سے بہت سے مسائل حل ہوجائیں گے، اوراگراس کوحل نہ کیا جاسکا تو ان مسائل کے حل کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔

اس طرح نظام قضاء کے مسئلہ پرفوری توجہ وقت کی اہم ضرورت کی تکمیل اوردین وملت کی بنیادی خدمت ہے اوراس سے لاپرواہی مستقبل قریب ہی میں ہمارا ناقابل معافی جرم بن جائے گا۔

لہٰذا دردمند بابصیرت مسلمانوں سے بجا طور پر یہ توقع ہے کہ وہ مسئلہ کوحل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کودور کرنے کی سعی کریں گے۔

واللہ الموفق و المستعان و علیہ التکلان